© rasailojaraid.com

پروفیسر اختر راہی

سیّد مناظر احسن گیلانی

"وسعتِ نظر، وسعتِ مطالعہ، رسوخ فی العلم اور ذکاوت میں ان کی نظیر اس وقت ممالکِ اسلامیہ میں ملنی مشکل ہے۔ و الغیب عند اللہ۔ تصنیف و تالیف کے لحاظ سے وہ عصرِ حاضر کے عظیم مصنفین میں شمار کیے جانے کے مستحق ہیں۔ انھوں نے اپنی کتابوں میں جو مواد جمع کر دیا ہے وہ بیسیوں آدمیوں کو مصنف اور محقق بنا سکتا ہے۔ اس ایک آدمی نے تنِ تنہا وہ کام کیا ہے جو یورپ میں پورے پورے ادارے اور منظم جماعتیں کرتی ہیں۔ ان جیسا آدمی برسوں میں پیدا ہوا تھا اور اب ان جیسا آدمی شاید برسوں میں بھی پیدا نہ ہو۔"[1]

یہ اقتباس مولانا ابوالحسن علی ندوی کے تعزیتی مضمون سے لیا گیا ہے جو انھوں نے مولانا سیّد مناظر احسن گیلانی مرحوم کی رحلت پر لکھا تھا۔ مولانا گیلانی مرحوم موجودہ صدی کے ان بلند پایہ علما میں سے تھے جن کے علمی اور تصنیفی کام کا تقاضا ہے کہ ان کی حیات اور خدمات پر تفصیل سے لکھا جائے۔ ان کے نام پر علمی ادارے قائم ہوں اور ان کی یاد تازہ رکھنے کے لیے تقریبات کا اہتمام ہو۔ افسوس ہے کہ مولانا گیلانی مرحوم کی حیات و خدمات پر چند تعزیتی تحریروں کے سوا کوئی ٹھوس چیز نہیں ملتی۔ ہمارے دینی مدارس میں تصنیف و تحقیق کی کوئی مستقل روایت نہیں ہے اور ان اداروں میں مولانا گیلانی ہی نہیں دوسرے علمائے کرام پر بھی کچھ نہیں لکھا گیا۔ یونیورسٹیوں میں قدرے کام ہوتا ہے مگر پاکستان کی حد تک مولانا گیلانی مرحوم پر کسی یونیورسٹی میں مقالہ تحقیق نہیں لکھا گیا اور اگر بھارت کی یونیورسٹیوں میں کچھ کام ہوا ہے تو راقم الحروف کی نظر سے نہیں گزرا۔

زیرِ نظر مضمون میں مولانا گیلانی مرحوم کی خدمات و حیات پر روشنی ڈالنے کی ابتدائی سی کوشش کی گئی ہے۔ شاید یہ کسی محقق کے لیے تحریک کا باعث بنے اور وہ اس بے نظیر عالم اور بڑے مصنف پر قلم اٹھائے۔

مولانا سیّد مناظر احسن گیلانی مرحوم واسطی زیدی سادات کے خاندان سے تھے۔ ان کے اجداد دو ڈھائی

---

[1] پرانے چراغ، ص ۹۴

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

صدی پہلے عرب سے ایران ہوتے ہوئے برصغیر پاک و ہند میں وارد ہوئے تھے۔ اس خاندان میں بڑے بڑے علامہ اور ولی پیدا ہوئے۔ سید احمد جاجنیری رحمۃ اللہ علیہ اسی خانوادے کے چشم و چراغ تھے۔ اس خانوادے کی ایک شاخ نے ضلع پٹنہ میں بہار شریف سے بارہ میل جانب مشرق ایک بستی کی بنیاد رکھی، جو "گیلانی" کے نام سے موسوم ہوئی۔ آج کل گیلانی کی آبادی چھ سات سو افراد پر مشتمل ہے۔

مولانا گیلانی کا خاندان ہر دَور میں ذی وجاہت رہا۔ مالی فارغ البالی کے ساتھ علمی روایت بھی قائم رہی۔ ان کے پردادا داروغہ سید شجاعت علی، سرکار برطانیہ کے ایک معزز عہدے دار تھے، جن کے بارے میں کہا جاتا ہے کہ چند تھانوں کے سرکل انسپکٹر تھے[۵۲] داروغہ سید شجاعت علی کے صاحب زادے سید محمد احسن اپنے دَور کے بڑے عالم اور زبردست معقولی مدرس تھے۔

سید محمد احسن گیلانی

سید محمد احسن گیلانی ۱۲۱۲ھ/ ۹۸ - ۱۷۹۷ء میں گیلانی میں پیدا ہوئے۔ انھوں نے شادی بیاہ بلکہ ایک بچے کے باپ بننے کے بعد اسلامی علوم کی تحصیل شروع کی۔ مولانا نعمت اللہ سے مظفر پور میں متوسط درجے کی کتابیں پڑھیں۔ معقولات مفتی واجد علی بنارسی اور مولانا فضل حق خیر آبادی سے پڑھیں۔ ہیئت و ہندسہ مفتی نعمت اللہ لکھنوی سے پڑھا۔ علمِ فقہ کی تحصیل مولانا اکبر علی رام پوری اور مولانا عالم علی نگینوی سے کی۔

فارغ التحصیل ہو کر "گیا" کے سرکاری مدرسے میں ملازمت کی اور یہیں سے وظیفہ یاب ہوئے۔ اس کے بعد گیلانی میں سکونت پذیر ہوئے اور علوم دینیہ کی تدریس میں مصروف رہے۔[۵۳] مولانا سید محمد احسن گیلانی سے استفادے کے لیے نہ صرف بہار بلکہ ہندوستان کے دوسرے علاقوں حتّٰی کہ سرحد و کابل تک کے طلبہ کی ایک اچھی خاصی تعداد "گیلانی" جاتی تھی۔ بہار کے بعض جلیل القدر علما، مثلاً مولانا رفیع الدین شکرانوی، مولانا عبدالغفور رمضان پوری، مولانا حکیم عبدالسلام بھاگل پوری، مولانا حکیم دائم علی ٹونکی اور مولانا اسماعیل رمضان پوری وغیرہ اسی درس گاہ سے اُٹھے تھے[۵۴] مولانا سید محمد احسن گیلانی ۱۳۰۱ھ/ ۸۴ - ۱۸۸۳ء میں فوت ہوئے اور وطنِ مالوف میں دفنائے گئے[۵۵]

---

۵۲ معارف (اعظم گڑھ) بابت جولائی ۱۹۳۵ء - ص ۱۴

۵۳ ایک روایت کے مطابق مدرسہ عزیزیہ بہار شریف کے مدرس تھے۔

۵۴ مسلمانوں کا نظام تعلیم و تربیت، حصہ اوّل، ص ۲۴۷ - ۲۴۸

۵۵ نزہت الخواطر، جلد ۸ - ص ۴۰۷ - ۴۰۸

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

مولانا سید عبدالحی رائے بریلوی نے اُن کی تالیفات میں رسالہ در بحث وجود رابطی، حاشیہ علی حاشیہ بحر العلوم اور حل العقود (تصوف) کا ذکر کیا ہے۔ ان کے علاوہ مولانا سید محمد احسن گیلانی نے اُردو میں ردِّ عیسائیت میں ایک رسالہ لکھا تھا۔ اس رسالے کے آغاز میں انھوں نے لکھا ہے کہ :

اب او پر دانش مندانِ خبیر و روشن دلانِ صافی ضمیر کے پوشیدہ نہ رہے کہ خادم الطلبہ محمد احسن ولد سید شجاعت علی رہنے والا متصل صوبہ بہار کا بارادہ تحصیلِ علم آوارہ از وطن ہو کر ۱۲۲۶ھ میں وارد شہر بنارس ہوا۔"[۵۶]

مولانا سید مناظر احسن گیلانی نے ماہنامہ "ندیم" (گیا) بہار نمبر ۱۹۳۳ء میں بطور استفسار اس رسالے کو صوبہ بہار میں اُردو نثر کی پہلی کتاب کی حیثیت سے پیش کیا تھا۔ اس موضوع پر تحقیق جاری رہی۔ بعد میں شاہ ظہور اللہ پھلواروی کا ایک مخطوطہ دست یاب ہوا جس میں "راہ نجات" یا "مفتاح الجنۃ" کے انداز سے دینیات کے مسائل بیان کیے گئے ہیں۔ شاہ ظہور اللہ پھلواروی کی تالیف کو مولانا سید محمد احسن گیلانی کی تالیف پر تقدمِ زمانی حاصل ہے۔ اس طرح مولانا گیلانی کی تالیف صوبہ بہار میں اردو نثر کی دوسری کتاب ہے[۵۷]

مولانا سید محمد احسن گیلانی کی اولاد میں ان کی وفات کے وقت حافظ ابوالخیر کی عمر چودہ سال تھی۔ اس لیے وہ حفظِ قرآن اور فارسی کی تعلیم سے آگے نہ بڑھ سکے، گھر میں زمینداری کی طرف توجہ دی اور زندگی بھر ہل سہلگے کے بندوبست میں لگے رہے۔ یہی حافظ ابوالخیر، مولانا سید مناظر احسن گیلانی کے والدِ ماجد تھے۔

اگرچہ مولانا سید مناظر احسن گیلانی کے والدِ ماجد زیادہ پڑھے لکھے نہ تھے لیکن اُن کے عم محترم سید ابوالنصر گیلانی درسِ نظامی کے فاضل تھے۔ درس و تدریس کم کرتے تھے، البتہ مطالعہ کتب میں مصروف رہتے۔

مولانا مناظر احسن گیلانی کی ابتدائی زندگی

مولانا سید مناظر احسن ۔ ۱۳۱۰ھ/ ۹۳ - ۱۸۹۲ء میں پیدا ہوئے۔ "مناظر احسن" تاریخی نام ہے۔ انھوں نے مکتبی تعلیم کا آغاز اپنے عم محترم سید ابوالنصر سے کیا۔ اردو فارسی کی ابتدائی کتابیں پڑھنے اور انگریزی کی

۵۶۔ بحوالہ بہار میں اردو زبان و ادب کا ارتقا، ص ۳۸۳

۵۷۔ مولانا سید محمد احسن گیلانی کی اس کتاب کے اہم مسائل اور حقائق پر اجمالی تبصرے کے لیے ملاحظہ ہو: جدید کلام — قدیم زبان میں (مناظر احسن گیلانی)، معارف (اعظم گڑھ) بابت جولائی ۱۹۳۵ء - ص ۱۲ — ۲۷، معارف (اعظم گڑھ)، اگست ۱۹۳۵ء

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

ایک دو ریڈریں پڑھنے کے بعد ٹونک چلے گئے۔ اُس وقت ان کی عمر تیرہ چودہ سال کے لگ بھگ تھی۔ ٹونک میں مولانا برکات احمد بہاری ثم ٹونکی[۵۸] سے استفادہ کیا۔ مولانا ٹونکی سے ان کی رشتہ داری بھی تھی[۵۹]

حکیم سید احمد اللہ ندوی کہتے ہیں:

"مولانا برکات احمد بہاری ثم ٹونکی کے والدِ ماجد مولوی حکیم دائم علی صاحب جو موضع گیلانی سے ڈیڑھ میل کے فاصلے پر موضع میرنگر کے رہنے والے تھے، مولانا محمد احسن کے حلقۂ درس میں شریک ہوکر دولتِ علم سے مالامال ہوکر ریاست ٹونک تشریف لے گئے اور وہاں معزز خدمت پر بحال ہوگئے۔ اس احسانِ عظیم کا حق ادا کرنے کے لیے مولوی حکیم دائم علی صاحب ٹونک سے گیلانی تشریف لائے اور اپنے ساتھ مولانا مناظر احسن کو جو جوان ہو چکے تھے، ٹونک لے گئے اور اپنے حلقۂ درس میں شریک کرکے متداول درسیاتِ عربیہ سے فارغ کردیا۔"[۶۰]

مولانا سید مناظر احسن گیلانی، علامہ ٹونکی کے ذہین طلبہ میں شمار ہوتے تھے۔ ٹونک میں نو سال مقیم رہے۔ یہیں سمینہ (ملتان) کے عالم مولانا محمد اشرف[۶۱] سے انھوں نے ادب میں مقاماتِ حریری، دیوان متنبی، حماسہ اور سبعہ معلقہ جیسی متداول کتابیں پڑھی تھیں۔ ریاضی، ہیئت اور ہندسہ کی تحصیل بھی ان ہی مولانا محمد اشرف سے کی تھی[۶۲]

مولانا گیلانی ٹونک سے اجمیر گئے۔ کچھ عرصہ مولانا معین الدین اجمیری سے مذاکراتی استفادہ کیا اور واپس ٹونک آ گئے۔ دوسرے سال شوال ۱۳۳۰ھ/۱۹۱۲ء میں دورۂ حدیث کے لیے دارالعلوم دیوبند گئے۔ دارالعلوم دیوبند میں دو سال زیرِ تعلیم رہ کر سندِ فضیلت حاصل کی۔ شیخ الہند مولانا محمود حسن سے صحیح بخاری اور جامع ترمذی کا درس لیا۔ مولانا انور شاہ کاشمیری سے صحیح مسلم پڑھی۔ انھوں نے مولانا کاشمیری کی درسی تقاریر قلم بند کی تھیں جو بعد میں ضائع ہو گئیں۔

---

۵۸ یہ خیر آبادی سلسلۂ معقولات کے بلند پایہ عالم تھے۔ ۵۹ مشاہیر اہلِ علم کی محسن کتابیں۔ ص ۴۰

۶۰ تذکرۂ مسلم شعرائے بہار، جلد ۴، ص ۲۱۹

۶۱ مولانا محمد اشرف نے شاہی مسجد لاہور کے مدرسے میں تعلیم حاصل کی تھی۔ مولانا غلام محمد بگوی کے تلامذہ میں سے تھے۔ فارغ التحصیل ہوکر مولانا برکات احمد ٹونکی سے فلسفہ و منطق کی بعض کتابیں پڑھی تھیں۔ اپنے علم و نظر کے پیشِ نظر مدرسۂ خلیلیہ ٹونک میں ہی باضابطہ مدرّس ہو گئے تھے، پڑھتے رہے اور پڑھاتے بھی رہے۔ ۶۲ حیاتِ انور، ص ۳۵ (حاشیہ)، نیز اندازِ سخن، ص ۱۷۶

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

ملازمت

مولانا گیلانی نے دار العلوم دیوبند سے ۱۳۳۲ھ/ ۱۹۱۴ء میں سندِ فضیلت حاصل کی۔ اسی سال ان کی اوّلین مادرِ علمی " مدرسۂ خلیلیہ ٹونک " کے کتب خانے کی فہرست مرتب کرنے کی ضرورت محسوس ہوئی اور اس کام کے لیے مولانا گیلانی سے رابطہ قائم کیا گیا۔ چنانچہ مولانا گیلانی پانچ روپے نواب شاہی[۱۳] ماہانہ مشاہرے پر ملازم ہو گئے۔ دو ماہ بعد مدرسے میں مدرسی کی اسامی بھی نکل آئی اور پندرہ روپے ماہانہ پر ان کا تقرر ہو گیا۔

سفرِ حیدر آباد

ٹونک میں کچھ عرصہ قیام کے بعد قسمت آزمائی کے لیے نکل کھڑے ہوئے۔ حیدر آباد دکن گئے اور مولانا انوار اللہ خان (معین المہام امورِ مذہبی) کے مدرسہ نظامیہ میں مقیم رہے۔ مولانا انوار اللہ خان کے ہاں ابنِ عربی کی " فتوحاتِ مکیہ " کا درس ہوتا تھا اور حیدر آباد کے وجودی ذوق رکھنے والے اہلِ علم اس حلقے میں شریک ہوتے رہتے تھے۔ مولانا گیلانی بھی اس حلقے کے ایک رکن بن گئے۔ ایک روز انھوں نے مثنوی مولانا روم کے مباحث پر تقریر کی اور اہلِ حیدر آباد ان کی صلاحیتوں سے واقف ہوئے۔ یہیں ملا مراد کابلی تاجر کتب (جو مثنوی مولانا روم کے شناسا تھے) سے تعارف ہوا۔ ان کی وساطت سے مہاراجہ کشن پرشاد شاد سے ملاقات ہوئی۔ مہاراجہ بھی مولانا انوار اللہ خان کی طرح مولانا گیلانی سے متاثر ہوئے اور انھیں مستقلاً حیدر آباد میں قیام کرنے کا مشورہ دیا۔ حیدر آباد کے دو با اثر حضرات سے تعلق قائم ہو جانے کے باوجود مولانا گیلانی نے حیدر آباد سے جلد نکل آنے کا فیصلہ کیا۔ خود لکھتے ہیں:

> "خیال آتا کہ دین کی تعلیم میں عمر کا اتنا بڑا حصہ جو صرف ہوا۔ سیدنا شیخ الہند اور حضرت الاستاذ الامام الکشمیری کے حلقہ ہائے درس میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیثوں کو سننے اور پڑھنے کا آخری انجام میرے لیے کیا یہی تھا کہ ایک غیر مسلم امیر کی مصاحبت اور ندیمی میں اپنی زندگی گزاروں گا۔ یہ خیال میرے سامنے آتا اور معلوم ہوتا کہ دنیا مجھ پر تاریک ہو گئی"[۱۴]

---

[۱۳] ریاست ٹونک کا مقامی سکہ جو انگریزی روپے سے ایک چوتھائی کم تھا۔

[۱۴] دار العلوم (دیوبند) بابت شعبان ۱۳۷۴ھ - ص ۳۴

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

حیدرآباد سے ایک رفیقِ درس سید مقبول احمد کے ساتھ گجرات کے شہروں، بردولی، راندیر اور احمد آباد کا سفر کرتے ہوئے دار العلوم دیوبند پہنچے۔

دار العلوم دیوبند سے تعلق ملازمت

مولانا حبیب الرحمٰن مہتمم دار العلوم نے مولانا گیلانی کو دار العلوم میں تدریسی کام تفویض کیا اور اس کے ساتھ رسالہ "القاسم" اور رسالہ "الرشید" کی ادارت اُن کے ذمے کی۔ ۱۳۳۴ھ/۱۹۱۶ء کی روداد میں انھیں "معین مدرسانِ عربی" کے زمرے میں شمار کیا گیا ہے۔ ایک ماہ بعد ان کی تنخواہ تیس روپے ماہوار مقرر ہوئی اور ملازمت کا باقاعدہ آغاز ہوا۔ یہ تنخواہ ان کی ضروریات سے بہت کم تھی۔ اس بات کا اظہار انھوں نے مہتمم دار العلوم سے بھی کیا، مگر تنخواہ میں اضافہ کا کوئی امکان نہیں تھا۔ اس زمانے کے ایک خط میں مولانا گیلانی لکھتے ہیں:

"انشاء اللہ تعالیٰ اس سال دیوبند ہی میں رہوں گا۔ تیس روپے سے زیادہ تنخواہ ملنی ناممکن ہے۔ کھانا بھی اب نہیں ہو سکتا ۔ ۔ ۔ ملاّنوں کے مدرسوں میں غایت سے غایت پچاس سے آگے نہیں مل سکتا اور میں اتنی تنخواہ کے لیے اپنے آرام کو قربان نہیں کر سکتا ۔ ۔ ۔ دیوبند میں تو میرا جی نہیں لگتا۔"[۱۵]

جامعہ عثمانیہ حیدرآباد

مولانا گیلانی دار العلوم دیوبند کی ملازمت سے مطمئن نہ تھے اور بہتر معاشی حالت کے لیے تگ ودو کر رہے تھے۔ اسی عرصے میں ۱۳۳۷ھ/۱۹۱۹ء میں "کلیہ جامعہ عثمانیہ" قائم ہوا۔ مولانا حمید الدین فراہی کے توسط سے "کلیہ جامعہ عثمانیہ" میں "استاد حدیث" کی حیثیت سے مولانا گیلانی کا تقرر ہو گیا۔ دار العلوم دیوبند کے بزرگوں نے ان کے حیدرآباد چلے جانے کی تائید کی اور اس طرح ۲۵۰/- روپے ماہانہ مشاہرہ پر وہ حیدرآباد چلے گئے۔ کچھ عرصے بعد مولانا گیلانی "دینیات لازمی" کے استاد ہو گئے۔ "دینیات لازمی" کے سلسلے میں یہ وضاحت ضروری ہے کہ "کلیہ جامعہ عثمانیہ" میں انگریزی کی طرح دینیات بھی ایک لازمی مضمون تھا اور حنفی المسلک طلبہ کے لیے اس میں کامیابی لازمی تھی۔ غیر حنفی اور ہندو طلبۂ "دینیات لازمی" کی جگہ "اخلاقیات" کا پرچہ دیتے تھے۔

---

[۱۵] مکاتیبِ گیلانی، ص ۸۶

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

مولانا گیلانی نے اپنی زندگی کا بہترین حصہ "جامعہ عثمانیہ" میں گزارا۔ آخری زمانے میں صدر شعبہ کے فرائض انجام دے رہے تھے کہ ۳۱ مارچ ۱۹۴۹ء (بعد ظہر) / ۱۱۔ جمادی الاخریٰ ۱۳۶۹ھ کو وظیفۂ حسنِ خدمت (پنشن) حاصل کیا[۱۶]۔

تقسیم ہند کے بعد حالات خاصے بدل چکے تھے اور سیکولر نظامِ حکومت میں "دینیاتِ لازمی" کی ضرورت محسوس نہیں کی جا رہی تھی۔ اس کی جگہ "شعبہ اسلامیات" قائم کرنے کا پروگرام بنایا گیا۔ ۱۹۴۸ء کے پولیس ایکشن کے بعد نواب علی یاور جنگ (م ۱۱ ستمبر ۱۹۷۶ء) دوبارہ یونیورسٹی کے وائس چانسلر بنے تو انھوں نے "شعبہ دینیات لازمی" کی جگہ "شعبہ تقابل ادیان" قائم کرنے کا منصوبہ پیش کیا اور مولانا کو صدر شعبہ کی حیثیت سے کام کرنے کی پیش کش کی مگر وہ "شعبہ دینیات لازمی" کی موت پر رضامند نہ ہوئے اور سبک دوش ہو جانا ہی مناسب خیال کیا۔ جناب بدر شکیب، مولانا گیلانی کی تدریس کا ذکر کرتے ہوئے رقم طراز ہیں:

(مولانا کی) تفہیم کا طریقہ انتہائی دلکش تھا اور دقیق مسائل ایسے عام فہم انداز میں تشبیہات اور استعاروں کے ساتھ پیش کرتے تھے کہ ان کی وجہ سے طلبہ میں مذہب سے شیفتگی میں اضافہ ہی ہوتا گیا۔

جامعہ عثمانیہ کے سارے سنی عقائد رکھنے والے طلبہ کی زندگیوں پر مولانا مناظر احسن گیلانی کی تعلیم اور ان کے خطبات کا بڑا اثر ہے۔ بعض طلبہ نے جنھیں شعبہ دینیات سے کوئی تعلق نہیں تھا محض مولانا کے فیضِ صحبت میں دینی علوم میں ایک اونچا معیار حاصل کر لیا۔ مولانا مناظر نے اپنے طلبہ میں مذہبی مسائل پر تحقیقات اور تصنیف و تالیف کا ذوق بھی پیدا کیا[۱۷]۔

مولانا گیلانی جامعہ عثمانیہ کے مقبول استاد تھے۔ یونیورسٹی کی سینٹ ان کے وجود کو قیمتی خیال کرتی تھی اور مدتِ ملازمت میں توسیع کا امکان تھا مگر سقوطِ حیدر آباد کے بعد دنیا بدل گئی اور مولانا بدلے ہوئے حالات میں دل برداشتہ ہو کر مدت کے دن پورے کرتے رہے۔

حیدر آباد کی زندگی

مولانا گیلانی نے ۱۵ جنوری ۱۹۵۴ء کے ایک خط میں لکھا ہے کہ "یہ کور نصیب گو حیدر آباد میں پیدا نہیں ہوا تھا مگر میرے جسم میں جو کچھ ہے حیدر آباد ہی کا ہے۔ اب بھی حیدر آباد ہی میرے سد رمق کا ذریعہ

۱۶۔ مکاتیبِ گیلانی

۱۷۔ سرگزشت جامعہ عثمانیہ، ص ۱۸۴

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

ہے، پھر اپنی محبوب تعلیم گاہ ہے۔ ہماری جامعہ عثمانیہ جس میں میرے دماغ و دل نے آنکھیں کھولیں، اسی کے ماحول میں میری پرورش ہوئی۔[۱۸]

مولانا گیلانی کم و بیش تیئس[۲۳] سال حیدرآباد میں مقیم رہے تھے۔ اہلِ علم و فن سے ان کے مراسم تھے اور ان کے عقیدت مندوں کا ایک وسیع حلقہ تھا۔ مولانا حمید الدین فراہی سے صحبت رہتی تھی اور مطالعۂ قرآن کا ذوق اس ہم نشینی سے راسخ ہوا۔ مولانا گیلانی کے طرزِ فکر اور اعتدال نظر میں فراہی اثر جھلکتا ہے۔ نواب صدر یار جنگ حبیب الرحمن خان شروانی بھی وہاں تشریف فرما تھے۔ ان سے اشتراکِ ذوق تھا اور ہر سال میلاد کی محفلوں کی جان حبیب الرحمن خان شروانی اور مولانا گیلانی ہی ہوتے تھے۔ سکندرآباد میں خطبہ جمعہ دیتے تھے اور عید کی نماز بھی وہی پڑھاتے تھے۔

مولانا گیلانی دورانِ طالب علمی میں شیخ الہند مولانا محمود حسن سے بیعت ہوئے تھے مگر تعلیمی مشاغل نے روحانی تربیت کے لیے مواقع نہ دیے اور حضرت شیخ الہند کا انتقال ہوگیا۔ حیدرآباد میں مولانا محمد حسین صاحب ایک صاحبِ حال و قال بزرگ تھے، اُن سے تعلق ارادت تھا۔ انھوں نے مولانا گیلانی کو اپنا خلیفہ بھی نامزد کر دیا تھا۔[۱۹] حیدرآباد میں ایک بغدادی بزرگ ''حبیب العیدروس'' مقیم تھے، اُن سے قادری سلسلے میں تعلق تھا اور حبیب العیدروس نے بھی خلافت کے شرف سے نوازا تھا۔

مولانا تصوف میں شیخ اکبر ابنِ عربی کے حالاً و قالاً ترجمان تھے۔ اُن کے مضامین اور متصوفانہ تصنیفات میں ''فتوحاتِ مکیہ'' اور ''فصوص الحکم'' کی جھلک نظر آتی ہے۔

گیلانی کا زمانۂ قیام

مولانا گیلانی جامعہ عثمانیہ حیدرآباد سے الگ ہوکر اپنے وطنِ مالوف میں مقیم ہوئے۔ یہ ان کی ''تنہائی'' کا دور تھا اس لیے وہ اس زمانۂ زندگی کو ''کہفی دور'' کہتے تھے۔ ۱۵ فروری ۱۹۵۴ء کے ایک خط میں لکھتے ہیں:

''حیدرآباد سے نکلنے کے بعد جس کہفی گوشہ میں آخری پیغام کا منتظر بن کر بیٹھ گیا ہوں، وہاں سے باہر جانے کا موقع اس چار پانچ سال کے عرصے میں مشکل ہی سے آیا۔ صرف سید الملت[۲۰] کی خاطر سے ایک دفعہ اعظم گڑھ دارالمصنفین گیا تھا اور

---

[۱۸] مکتوب بنام غلام محمد بینات (کراچی) ج ۴، نمبر ۵، ص ۲۸

[۱۹] مکاتیب گیلانی، ص ۴۰۲

[۲۰] سید سلیمان ندوی مرحوم

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

گزشتہ ماہ جنوری میں ان کے جلسۂ ماتم میں شریک ہونے کے لیے لکھنؤ حاضر ہونے پر مجبور ہونا پڑا۔ ایک اجڑا گاؤں جہاں چند گنواروں کے سوا کسی شریف صورت پر نظر نہیں پڑتی، پڑا ہوا ہوں۔ صحت کی خرابی کی وجہ سے لسانی قوت سے محروم ہو چکا ہوں، جہاں تک بس چلتا ہے قلم سے کچھ گھسیٹ لیتا ہوں[۱۲۱]

سید سلیمان ندویؒ کے جلسۂ ماتم میں شریک ہو کر گیلانی پہنچنے کے دوسرے یا تیسرے روز ان کے مکان پر چوروں نے حملہ کیا اور جو کچھ اسباب لے جا سکتے تھے لے کر روانہ ہوئے اور بقول مولانا گیلانی "صبح کو جب آنکھ کھلی تو آنکھیں کھل گئیں"[۱۲۲]

۱۹۵۳ء کے آخر میں مولانا گیلانی کو دل کا دورہ پڑا، مگر فوری علاج معالجے سے افاقہ ہو گیا۔ چند ماہ بعد دوسری بار دورہ پڑا جو اس قدر شدید تھا کہ ڈاکٹروں نے ان کے لکھنے پڑھنے پر کامل پابندی لگا دی۔ اس کے بعد تندرستی اور بیماری میں مسلسل کش مکش چلتی رہی حتیٰ کہ پیامِ اجل آ گیا۔ ۱۹۵۴ء کے ایک خط میں اپنی صحت کے بارے میں لکھتے ہیں:

یہ نیاز مند مناظر احسن گیلانی علالت کی مختصر منزلوں سے گزرتا ہوا، اب ایک خاص نقطہ پر پہنچ کر ٹھہر گیا ہے۔ نہ بیمار ہی ہے اور نہ تندرست۔ چاہیے تو یہی تھا کہ اپنے بعض رفیقوں کے ساتھ اب تک شریک ہو جاتا لیکن بقول اکبر مرحوم:

کمزور ہے میری صحت بھی، کمزور ہے میری بیماری
اچھا جو رہا کچھ کر نہ سکا، بیمار پڑا تو مر نہ سکا"[۱۲۳]

گیلانی کے زمانۂ قیام میں انھیں یہ شدید احساس تھا کہ وہ "صحبتِ ناجنساں" میں پھنس گئے ہیں۔ اس میں کوئی شبہ بھی نہیں، زندگی بھر اہلِ علم و دانش کے درمیان رہنے والا شخص ایک ایسے گاؤں میں رہ رہا تھا جہاں نہ کوئی کالج تھا نہ ہائی سکول۔ نہ کوئی پڑھا لکھا شخص تھا اور نہ ہم ذوق۔ تاہم اپنے دیہہ کی ضروریات کی خاطر اپنے حلقۂ احباب سے فرمائشیں کرتے رہتے تھے۔ کبھی کسی کو آموں کی قلمیں منگوا کر دیتے اور کسی کے لیے دوا دارو کا بندوبست کر دیتے۔

---

۱۲۱ مکتوب بنام غلام محمد "بینات" (کراچی)۔ جلد ۳، نمبر ۵، ص ۲۸۱

۱۲۲ مکتوب بنام غلام دستگیر رشید۔ صحیفہ (لاہور) بابت مئی۔ جون ۱۹۷۹ء، ص ۲۷

۱۲۳ مکتوب بنام غلام محمد۔ بینات (کراچی)۔ جلد ۳، نمبر ۵، ص ۲۸۴

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

وفات

مولانا گیلانی آخری دنوں میں بہت کمزور ہو گئے تھے۔ جگر، معدہ اور قلب سب ہی ماؤف تھے تاہم قوتِ ارادی انھیں متحرک رکھے ہوئے تھی۔ ۵ جون ۱۹۵۶ء کو انھوں نے نہایت پُر مسرت دن گزارا۔ تمام الماریوں کی کتابیں خود سجائیں۔ بچوں کو قصہ کہانی سناتے رہے اور اپنے بھانجے سے فانی بدایونی کی غزل سننے کی فرمائش کی۔ جب یہ شعر پڑھا گیا:

سنے جاتے نہ تھے تم سے مرے دن رات کے شکوے
کفن سرکاؤ، مری بے زبانی دیکھتے جاؤ

تو ان پہ ایک عجیب کیفیت طاری ہو گئی۔ بہت روئے اور موت پر باتیں کرتے رہے۔ دوسرے روز صبح چار بجے دل کا دورہ پڑا، افاقہ ہوا، نماز ادا کی اور لیٹ گئے۔ عالمِ خواب میں روح قفسِ عنصری سے پرواز کر گئی۔

اسی روز ۵ جون ۵۶ ۱۹ء/ ۲۵ شوال ۱۳۷۵ھ کو بعد نمازِ ظہر نمازِ جنازہ ہوئی اور گیلانی میں دفنائے گئے۔

اولاد

مولانا گیلانی کی اولاد میں ایک صاحب زادے محی الدین اور ایک صاحب زادی ہیں۔ جناب محی الدین گیلانی جدید پڑھے لکھے آدمی ہیں اور پاکستان میں مقیم ہیں۔ صاحب زادی کی شادی، مولانا مرحوم کے بھائی مکارم احسن کے صاحب زادے سے ہوئی تھی۔

تصنیف و تالیف

مولانا مناظر احسن گیلانی نے اپنی تصنیفی زندگی کا آغاز رسالہ "القاسم" (دیوبند) سے کیا اور آخر مولانا محمد قاسم نانوتوی کی مفصل سوانح حیات کی چوتھی جلد کے لکھتے ہوئے اپنے مولیٰ سے جا ملے۔ برِ صغیر پاک و ہند کا کوئی وقیع علمی و دینی رسالہ ایسا نہیں جس کے صفحات ان کی قلم کاریوں سے رنگین نہ ہوں۔ دینی موضوعات میں سے کم ہی ایسے ہوں گے جو ان کی جولان گاہ فکر میں نہ تھے۔ انھوں نے حدیث و فقہ، تاریخ و سوانح، معاشیات و سیاسیات، فلسفہ و تصوف اور عقائد و کلام سب ہی موضوعات پر لکھا ہے، اور خوب لکھا ہے۔

مولانا گیلانی نے ہزاروں صفحات لکھے۔ درجن بھر کتابیں بھی ان سے یادگار ہیں مگر ایک دو کتابوں کے علاوہ کوئی کتاب انھوں نے باضابطہ طور پر نہیں لکھی۔ ایک خط میں سید سلیمان ندوی کو لکھتے ہیں:

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

یہ آپ نے خوب لکھا ہے کہ میں مینہ ابر سا رہا ہوں - سچ عرض کرتا ہوں، لکھنے کے لیے فقیر نے اب تک خود کچھ نہیں لکھا ہے جو کچھ بھی ہو جاتا ہے، کوئی سر پر سوار ہو کر لکھوا لیتا ہے یا اسی قسم کی کچھ مجبوریاں پیش آجاتی ہیں۔[۵۲۴]

مولانا موصوف کو کسی گوشے سے تحریک ہوتی یا ان کے الفاظ میں کوئی "مجبوری" پیش آئی تو لکھنے بیٹھے اور صفحات پر صفحات لکھتے چلے گئے۔ وہ خود اپنے لکھے ہوتے پر نظر ثانی نہیں کرتے تھے۔ یہ فریضہ ان کے شاگرد اور مخلص احباب انجام دیتے تھے یا ناشر اپنے طور پر ترتیب و تدوین کرا لیتے تھے۔ اپنے اندازِ تحریر کے بارے میں مولانا گیلانی نے لکھا ہے۔

ایک دفعہ جھونک میں لکھنے بیٹھا تو لکھتا چلا گیا - اب پھر اس پر نظر ثانی، حک و اصلاح میرے لیے مشکل ہے۔"[۵۲۵]

اسی اندازِ تحریر کا نتیجہ تھا کہ ان کے ہاں تصنیفی منصوبہ بندی یا ترتیب نہیں پائی جاتی۔ اکثر لکھتے لکھتے موضوع سے ہٹ جاتے ہیں اور دور دراز ضمنی بحثوں میں چلے جاتے ہیں۔ ایک بات سے دوسری بات نکال لیتے ہیں اور اس پر خامہ فرسائی کرتے کرتے بہت دور نکل جاتے ہیں اور جب کئی صفحات کے بعد دوبارہ اپنے موضوع کی طرف آتے ہیں تو اس وقت تک قاری عموماً سلسلۂ مضمون بھول چکا ہوتا ہے۔ اسی طرح جملوں کی نشست و برخاست اور تراش خراش کے قائل نہیں بعض اوقات قواعد کو بھی خاطر میں نہیں لاتے جو لفظ قلم سے نکل گیا اُسے کاٹ کر دوسرا نہیں لکھا۔ بعض اوقات عبارت کے درمیان میں جملہ معترضہ شروع کیا اور وہ اتنا طویل ہوا کہ جملے کا باقی حصہ کہیں درمیان ہی میں دم توڑ گیا۔

اندازِ تحریر کی اس ژولیدگی کے باوجود ان کی تحریریں نقطۂ نظر کے لحاظ سے بہت اہم ہیں۔ مولانا گیلانی نے بڑا نقطہ آفرین ذہن پایا تھا اور حالات و واقعات سے اخذ و استنباط کی بے پایاں صلاحیتوں کے مالک تھے۔ وہ اپنی تالیفات میں جس قدر مواد اکٹھا کر دیتے ہیں وہ کسی دوسری کتاب میں یکجا نہیں ملتا اور اکثر ایسی باتیں لکھ جاتے ہیں جن کی طرف عام آدمی کا ذہن کبھی منعطف نہیں ہو سکتا۔ مولانا عبدالباری ندوی مرحوم نے ان کے اندازِ تحریر و تالیف پر تبصرہ کرتے ہوئے لکھا ہے:

---

۵۲۴ معارف (اعظم گڑھ) جلد ۹، نمبر ۴، ص ۲۹۷ — مکاتیب گیلانی، ص ۳۶۸

۵۲۵ مکتوب بنام سید سلیمان ندوی۔ معارف (اعظم گڑھ) جلد ۹۱، نمبر ۳، ص ۲۳۲/ مکاتیب گیلانی، ص ۳۵۱

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

"مولانا گیلانی کے پاس ماشاء اللہ خیالات، معلومات اور تعبیرات سب کی اتنی بہتات ہے کہ وہ بارہا خود اس میں کھو جاتے ہیں۔ تاہم ان کے افادات میں استفادہ کا بڑا سرمایہ ہوتا ہے اور بیان کی مستی اور کیف بھی مخاطب پر وجد طاری کیے بغیر نہیں رہتی۔ باقی یہ بہر حال سچ ہے کہ ان کا اسٹائل سائنٹیفک نہیں پھر بھی لوگ پڑھتے رغبت و توجہ سے ہیں۔"[۵۲۶]

---

[۵۲۶] اندازِ سخن، ص ۱۸۶، ۱۸۷

الفہرست

از محمد بن اسحاق ابن ندیم وراق — اردو ترجمہ:- محمد اسحاق بھٹی

یہ کتاب چوتھی صدی ہجری تک کے علوم و فنون، سیر و رجال اور کتب و مصنفین کی مستند تاریخ ہے۔ اس میں یہود و نصاریٰ کی کتابوں، قرآن مجید، نزولِ قرآن، جمع قرآن اور قرائے کرام، فصاحت و بلاغت، ادب و انشا اور اس کے مختلف مکاتبِ فکر، حدیث و فقہ اور اس کے تمام مدارسِ فکر، علمِ نحو، منطق و فلسفہ، ریاضی و حساب، سحر و شعبدہ بازی، طب اور صنعت کیمیا وغیرہ تمام علوم، ان کے علما و ماہرین اور اس سلسلے کی تصنیفات کے بارے میں اہم تفصیلات بیان کی گئی ہیں۔ علاوہ ازیں واضح کیا گیا ہے کہ یہ علوم کب اور کیونکر عالمِ وجود میں آئے۔ پھر ہندوستان اور چین وغیرہ میں اس وقت جو مذاہب رائج تھے ان کی وضاحت کی گئی ہے۔ نیز بتایا گیا ہے کہ اس دور میں دنیا کے کس کس خطے میں کیا کیا زبانیں رائج اور بولی جاتی تھیں اور ان کی تحریر و کتابت کے کیا اسلوب تھے۔ ان کی ابتدا کس طرح ہوئی اور وہ ترقی و ارتقا کی کن کن منازل سے گزریں۔ ان زبانوں کی کتابت کے نمونے بھی دیے گئے ہیں ـــــ ترجمہ اصل عربی کتاب کے کئی مطبوعہ نسخے سامنے رکھ کر کیا گیا ہے اور جگہ جگہ ضروری حواشی دیے گئے ہیں جس سے کتاب کی افادیت بہت بڑھ گئی ہے۔

صفحات ۹۴۶ مع اشاریہ • قیمت : ۴۵ روپے

ملنے کا پتا:- ادارۂ ثقافتِ اسلامیہ، کلب روڈ، لاہور

© rasailojaraid.com